© rasailojaraid.com

۳۶۰- یوسف بن ابراہیم بن جملۃ، جمال الدین (م ۷۳۸ھ) ص ۱۳۸

۳۶۱- محمود بن محمد بن ابراہیم، جمال الدین (م ۷۶۴ھ) ص ۱۳۸

۳۶۲- ابن خطیب جبرین[1]، عثمان بن علی بن عثمان، فخر الدین (م ۷۳۹ھ) ص ۱۳۹

۳۶۳- الجاربردی، احمد بن الحسن، فخر الدین (م ۷۴۶ھ) ۱۳۹

باب الحاء

فیہ فصلان

الاول فی الاسماء الواقعۃ فی الشافعی والروضۃ

۳۶۴- الحربی[2] ابراہیم بن اسحاق، ابو اسحاق (م ۲۸۵ھ) ص ۱۳۹

۳۶۵- علی بن الحسین بن حربویہ، ابو عبید، البغدادی (م ۳۱۹ھ) ص ۱۳۹

۳۶۶- ابن الحداد، محمد بن احمد بن محمد بن جعفر، ابو بکر (م ۳۴۴ھ) ص ۱۴۰

۳۶۷- الحناطی، الحسین بن ابی جعفر محمد، ابو عبد اللہ (ص ۱۴۱)

۳۶۸- الحدّاد، ابو محمد، ص ۱۴۲

۳۶۹- الحلیمی، الحسین بن الحسن بن محمد بن حلیم، ابو عبد اللہ (۳۳۸-۴۰۳ھ) ص ۱۴۲

۳۷۰- الحسن بن الحسن بن محمد بن حلیم، ابو الفضل، ص ۱۴۳ [اخو الحلیمی]

۳۷۱- الحاکم، محمد بن عبد اللہ بن محمد، ابو عبد اللہ، النیسابوری المعروف بابن البیع (۳۲۱-۴۰۵ھ) ص ۱۴۳

۳۷۲- القاضی الحسین بن محمد بن احمد، ابو علی، المروروذی (م ۴۶۲ھ) ص ۱۴۴

---

[1] جبرین: بیت المقدس اور عسقلان کے مابین ایک قلعہ ہے: معجم ۱۰۱/۲

[2] حربیۃ کی طرف نسبت ہے حربیۃ بغداد کے ایک بڑے مشہور محلے کا نام ہے۔ جو بشر حافی کے مقبرہ کے پاس باب الحرب سے ملا ہوا ہے۔ (معجم البلدان ۲۳۷/۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۷۳۔ ابوبکر محمد (ولادت ۴۲۶ ھ۔۔۔۔) ص ۱۴۴ [ابن القاضی الحسین]

۲۷۴۔ امام الحرمین، عبدالملک بن الشیخ ابی محمد، الجوینی، ضیاء الدین۔ (۴۱۹ ۔ ۴۷۸ ھ) ص ۱۴۴

۲۷۵۔ ابوالقاسم (م ۴۹۳ ھ) [ابن امام الحرمین] ص ۱۴۶

۲۷۶۔ الحلوانی[اے] احمد بن علی بن بدران، ابوبکر (۴۲۰ ۔ ۵۰۷ ھ) ص ۱۴۶

۲۷۷۔ الحازمی محمد بن موسی بن عثمان بن موسی بن عثمان بن حازم، ابوبکر، (۵۴۸ ۔ ۵۸۴ ھ) ص ۱۴۶

[اے] حلوان کی طرف نسبت ہے، جو مصر کا ایک مشہور گاؤں ہے۔ فسطاط اور اس کے درمیان دو میل کا فاصلہ ہے۔ معجم البلدان (۲۹۳/۲)

مکمل لغات القرآن

یہ ہماری زبان میں لغت قرآن کے موضوع پر جامع اور مکمل کتاب ہے، جو قرآن مجید کے معنی اور مطالب کے سمجھنے اور حل کرنے میں ہر حیثیت سے مدد دے سکے۔ اس جلیل القدر اور عظیم الشان کتاب میں الفاظ قرآن کی مکمل اور دلپذیر تشریح کے ساتھ تمام متعلقہ بحثوں کی تفصیل بھی ہے۔ لغات قرآن کے ساتھ الفاظ قرآن کی مکمل اعرابی فہرست بھی دی گئی ہے جس سے ایک لفظ کو دیکھ کر تمام لفظوں کے حوالے بڑی سہولت سے نکالے جا سکتے ہیں۔

جلد اول باب الالف صفحات ۳۳۴ غیر مجلد ۵/- مجلد ۶/- جلد دوم باب بار تا باب الخاء صفحات ۳۳۰ غیر مجلد ۵/- مجلد ۶/- جلد سوم باب الدال المہملہ تا باب الشین المعجمہ صفحات ۴۰۰ غیر مجلد ۵۰/۴ مجلد ۵/۵۰ جلد چہارم باب الصاد المہملہ تا باب العین المہملہ صفحات ۳۸۶ غیر مجلد ۶/- مجلد ۷/- جلد پنجم باب الغین المعجمہ تا باب المیم صفحات ۵۰۰ غیر مجلد ۱۰/- مجلد ۱۱/- جلد ششم باب النون تا باب الیاء التحتانیہ صفحات ۳۳۶ غیر مجلد ۷/- مجلد ۸/-

پوری کتاب کے مجموعی صفحات ۲۱۸۴ بڑی تقطیع مجموعی قیمت غیر مجلد ۳۷/۵۰ مجلد ۴۳/۵۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قدامہ بن جعفر

(کاتب بغدادی)

(۲)

از جناب وقار احمد صاحب رضوی ایم اے - دہلی

۲- ہجو :

ہجو مدیح کی ضد ہے۔ اچھی ہجو وہ ہے جس میں زیادہ سے زیادہ مدح کی ضدیں موجود ہوں۔ جس قدر مدیح کی ضدیں شعر میں زیادہ ہوں گی اسی قدر ہجو طاقتور ہوگی۔

مدح کی طرح ہجو میں بھی غلو اور مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے۔ جو اسباب، مدح کی ضد ہیں ، انہیں کے اعتبار سے ہجو گوئی کے مراتب اور درجات کا تعین کرنا چاہیے۔

مثال کے طور پر احمد بن یحییٰ کے یہ اشعار جو ہجو کی اچھی مثال ہیں ؎

ان یغدرُوا او یفجُرُوا　　او یَبخلُوا لا یحفلُوا

وہ اگر بے وفائی کریں اور فسق و فجور سے کام لیں یا بخل کریں تو ایسا ہے گویا کوئی بات ہی نہیں ہے۔

یغدُ وعَلیک مُرَجّلِیُ ...... نَ کاَنّھُم لم یَفعلُوا

اور وہ (افعال شنیعہ) کرنے کے بعد تمہارے پاس اس طرح دوڑ کر آتے ہیں جیسے انھوں نے کچھ کیا ہی نہیں۔

اس ہجو کی خوبی یہ ہے کہ جو صفتیں حقیقت میں فضائل کی ضد ہیں۔ انہیں کو شاعر نے بیان کیا ہے مثلاً غداری، بے وفائی، وفا کی ضد ہیں۔ فسق و فجور، سچائی کی ضد ہے۔ بخل سخاوت کی ضد ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر یہ کہہ کر کہ یغدو علیک ایک بڑی فضیلت عقل سے بھی ان کو محروم کر دیا۔ اس لیے کہ یہ فعل ان لوگوں سے سرزد ہوتا ہے جو عقل و بصیرت سے خالی ہوتے ہیں۔

اسی طرح زیاد الاعجم نے غیاظ بن حصین بن المنذر کی ہجو میں کہا ہے ؎

تلین لاهل الغل و [illegible] منهم   وانت علی اهل الصفاء غلیظ

تو، کینہ اور بغض رکھنے والوں کے لیے نرم خو ہے۔ اور جو صاف باطن ہیں ان کے ساتھ سختی سے پیش آتا ہے ؎

۲۔ مرثیہ:

مرثیہ اور مدح میں سوائے لفظی فرق کے کوئی معنوی فرق نہیں ہے۔ مدح، زندہ کے لیے ہوتی ہے اور مرثیہ کسی کی موت پر کہا جاتا ہے۔

مرثیہ میں مرنے والے کی وہی صفات بیان کی جاتی ہیں، جن کے ذریعہ زندگی میں اس کی تعریف کی جاتی تھی۔ پس مرثیہ خوانی کی راہِ صواب اور اس کی منزلِ مقصود یہی ہے کہ اس میں مدح گوئی طریقہ اختیار کیا جائے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ مرثیہ میں غم انگیز پہلو ہوتا ہے، مدح میں ایسا نہیں ہوتا۔

مرثیہ میں ایسے الفاظ بھی لائے جاتے ہیں جو مدح سے الگ ہوتے ہیں مثلاً دنیا میں کوئی شخص سخاوت کے ساتھ متصف تھا تو اس کے مرثیہ میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ سخی تھا بلکہ یہ کہیں گے کہ سخاوت دنیا سے رخصت ہو گئی۔

بعض شعراء مرثیہ میں ان چیزوں کے رونے کا ذکر کرتے ہیں جن کو مرنے والا زندگی میں استعمال کرتا تھا۔ یا ان چیزوں کو جن کو اس سے کوئی نسبت تھی۔ ایسی صورت میں ان اشیاء کے بارے میں یہ معلوم کر لینا چاہیے کہ ان کی طرف بکا کی نسبت دینا غیر مناسب تو نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو مرنے والے نے چھوڑی ہے، ضروری نہیں کہ وہ اس پر گریہ کرے۔ مثال کے طور پر یہ کہا جائے گھوڑے ایسا شہسوار نہ پا کر روتے ہیں۔ تو یہ مضمون غلط ہوگا۔ کیوں کہ یہ چیزیں بس مشقت اور تکلیف میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مبتلا کی جاتی ہیں۔ وہ بخشش، روپے کے، خوش اور مسرور ہوں گی۔ البتہ جو چیزیں مرنے والے کی زندگی میں انعام و اکرام پاتی تھیں۔ اس کی موت پر، ان کی طرف سے اظہار رنج و غم کرنا چاہیے۔

مدح کی طرح مرثیہ میں بھی غلو اور مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے جیسے اَوس بن حجر کے یہ اشعار جو اس نے فضالہ کے مرثیہ میں کہے ہیں ؎

أیتھا النفس أجملی جزعا إن الذی تحذرین قد وقعا

اے نفس بے صبری اور بیقراری کے لیے اچھی طرح تیار ہو جا، کیونکہ جس مصیبت عظمیٰ یعنی موتِ فضالہ کا خطرہ تھا، وہ تو واقع ہو گئی۔

إن الذی جمع السماحۃ والنجدۃ ..... والبأس والندی جمعا

وہ شخص ـــــ جو سخاوت، شجاعت، دلیری اور بخشش سب فضائل کا جامع تھا

الألمعی الذی یظن بک الظن .... کأن قد رأی وقد سمعا

وہ ذکی الحس اور صاحب ہوش و خرد تھا۔ وہ اپنی ذہانت سے باریکیوں کو سمجھ لیتا تھا گویا اس نے ان کو دیکھا اور سنا ہے۔

وہ امرِ مظنون کو اپنی ثقابۃ المعرفۃ سے بھانپ لیتا تھا۔

اس مرثیہ میں شاعر نے تمام فضائل کو جمع کر دیا ہے۔ اور ان میں سے ہر فضیلت کو اس کے موقع پر بیان کیا ہے۔

مضامین شعر کے باب سے پہلے قدامہ نے شعر کی ماہیت اور ائتلافِ اجزائے شعر سے بحث کرتے ہوئے کہا ہے کہ جس طرح انسان کی تعریف میں کہا جاتا ہے حیّ ناطق میّت۔ یہاں حیّ کے معنی اس حیات یا زندگی کے ہیں جو انسان کی جنس ہے۔ نطق انسان کی فصل ہے جو اس کو غیر ناطق سے ممتاز کرتی ہے۔ حیّ عبارت ہے حرکت و حس سے جب کہ موت بطلانِ حرکت کو کہتے ہیں۔

اسی طرح شعر کی تعریف میں لفظ جنس ہے اور دیگر ماہیت مرکبہ کی طرح وزن، تقفیہ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معنی شعر کے اسباب ہیں جن کو اس کی تعریف شامل اور محیط ہے۔

ہر ماہیت کچھ اجزاء سے مرکب ہوتی ہے۔ اور اجزا کی باہمی ترکیب و تالیف اور ان کی کمی زیادتی کے اعتبار سے ان کی تعداد میں بھی کمی وزیادتی ہوتی ہے۔

شعر بھی اسباب کا مجموعہ ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔ شعر کے منفرد اسباب چار ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:

لفظ[۱]، وزن[۲]، معنی[۳]، تقفیہ[۴]

ان مفردات سے مرکبات کی حسب ذیل چھ قسمیں پیدا ہوتی ہیں

۱۔ اللفظُ مَعَ المعنیٰ ۲۔ اللفظُ مَعَ الوَزْنِ

۳۔ اللفظُ مَعَ القافیۃِ ۴۔ المعنیٰ مَعَ الوزنِ

۵۔ المعنیٰ مَعَ القافیۃِ ۶۔ الوزنُ مَعَ القافیۃِ

ان مرکبات میں سے قدآمہ نے قافیہ کی حسب ذیل دو قسموں کو خارج کر دیا ہے۔

۱۔ اللفظُ مَعَ القافیۃِ ۲۔ الوزنُ مَعَ القافیۃِ

"اللفظُ مَعَ القافیۃِ" کے اخراج کی وجہ یہ ہے کہ قافیہ بذات خود ایک لفظ ہے۔ اور جس طرح شعر کے دوسرے الفاظ، معنی رکھتے ہیں ۔۔ اسی طرح قافیہ بھی معنی رکھتا ہے اور اس معنی کے توسط سے اس کا پورے شعر سے ربط ہوتا ہے۔ اس لیے قافیہ مستقل کوئی ائتلاف نہیں بلکہ "اللفظ مع المعنیٰ" کے تحت وہ خود بخود داخل ہو جاتا ہے۔

اسی طرح "اللفظُ مع القافیۃ" کی بھی ضرورت نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ "اللفظُ مع الوزن" میں تمام الفاظِ شعری کی طرح قافیہ بھی شامل ہے۔ کیوں کہ وزن تمام الفاظِ شعر کو محیط ہوتا ہے۔

اگر قافیہ کو قافیہ ہونے کی حیثیت سے دیکھا جائے تو اس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو کبھی دوسری چیز کے ساتھ تالیف حاصل کر سکے۔ قافیہ کو قافیہ محض اس لیے کہتے ہیں کہ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقطع البیت ہے اور شعر کے آخر میں ہوتا ہے۔ اور وہ لفظِ قافیہ۔ اس قافیہ کا مقطع ذاتی نہیں بلکہ مقطع عارضی ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قافیہ، قائم بالذات شئی نہیں ہے۔ اس کے قیام اور تقدیم وتاخیر کا انحصار مرتب یا شاعر پر ہے۔ وہ چاہے تو اس کو کسی دوسری جگہ بھی رکھ سکتا ہے مقدم اور موخر بھی کر سکتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قافیہ کے لیے بحیثیت قافیہ کے کسی دوسری شئی کے ساتھ کوئی تالیف نہیں ہو سکتی۔

لیکن اس اعتبار سے کہ وہ معنی پر دلالت کرتا ہے۔ المعنی مع القافیہ کی ایک تالیف بن سکتی ہے یہاں معنی سے مراد معنی سائرِ البیت ہے۔ اور قافیہ سے مراد معنی القافیہ ہے۔ اس لحاظ سے اس ائتلاف کا پورا نام یہ ہوا۔

" معنیَ سائرِ البَیتِ مَعَ مَعنیَ القافیۃِ "

قدامہ نے قافیہ کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے اس تالیف کو المعنی معَ القافیہِ سے موسوم کر دیا ہے۔

اس طرح اجناس شعر کل آٹھ ہوئیں۔ چار مفردات — لفظ، معنیٰ، وزن اور قافیہ، جن پر شعر کی تعریف دلالت کرتی ہے۔ اور چار قسمیں وہ ہیں جو ان بسائط یعنی مفردات سے مرکب ہوتی ہیں۔ ان کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

مصنف نے یہ اقسام اس لیے کی ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے لیے کچھ مخصوص صفات ایسی ہیں جن کی وجہ سے شعر قابلِ تحسین سمجھا جاتا ہے۔ اور کچھ حالات ایسے ہیں، جن سے معیوب ہو جاتا ہے۔ ان کو جاننے کی ضرورت ہے تاکہ جیّد اور ردی شعر میں تمیز پیدا کی جا سکے۔

ہر شعر تمام محاسن یا تمام عیوب کا جامع نہیں ہوتا۔ جب شعر میں محاسن کا پہلو زیادہ ہوگا وہ خوبی اور عمدگی کی طرف زیادہ مائل ہوگا۔ اور جب شعر میں عیوب کا پہلو غالب ہوگا، وہ رداءت اور نہایتِ ادنیٰ سے قریب ہوگا اور جس میں محاسن و معائب، دونوں برابر ہوں، وہ مدح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وذم کے مابین اوسط درجہ کا شعر ہوگا ۔

شعر کی جودت ورداءت کا فیصلہ وہ لوگ کریں گے جو اہل فکر و بصیرت ہیں۔ یہ لوگ محاسن و معائب کی روشنی میں شعر کے درجات متعین کر سکتے ہیں ۔

اس کے بعد قدامہ نے لفظ، وزن، قافیہ کے نعوت سے بحث کی ہے اور وہ یہ ہے:

۱۔ لفظ:

لفظ کی خوبی یہ ہے کہ وہ آسان ہو۔ اس کے حروف، سہل المخرج ہوں۔ وہ فصیح ہو۔ یعنی تنافر لفظی اور غرابت معنی سے پاک ہو۔ اس میں کراہت یعنی ثقل سمع نہ ہو۔

الفاظ نہایت سہل، سلیس، صاف اور شستہ ہوں۔ یہی لفظ کے محاسن ہیں جیسے نابغہ ذبیانی کے قصیدے کی تشبیب کا یہ شعر ؎

اذا تنازعک الحدیث رأیتہا حسناً، تبسّمہا لذیذ المکسر ع

جب وہ محبوبہ تم سے بات کرے تو اس کے تبسم و مسکراہٹ کو خوبصورت اور اس کے بوسوں کو لذیذ پاؤ گے ۔

۲۔ وزن:

وزن کی خوبی یہ ہے کہ شعر، سہل العروض ہو یعنی شعر کی تقطیع آسانی سے کی جاسکے جیسے منخّل بن عبید الیشکری کے یہ اشعار ؎

۱۔ ولقد دخلتُ علی الفتا ۃ الخدر فی یوم المطیر

۲۔ الکاعبُ الحسناءُ تر فُل فی الدمقس وفی الحریر

وہ دوشیزہ دیبا و حریر کے لباس میں محوِ خرام ناز تھی ۔

۳۔ فدفعتہا فتدافعت مشیَ القطاۃ الی الغدیر

جب میں نے اس کو اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہا تو وہ میرے ساتھ اس طرح چلی جیسے تیتر یا چکور تالاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی جانب جاتا ہے۔

۴۔ دعطفتہا وتعطفت کتعطف الغصن النضیر

۵۔ ولثمتہا فتنفست کتنفس الظبی الغریر

۶۔ ولقد شربت من المدا مۃ بالکبیر و بالصغیر

البتہ میں نے ہر چھوٹے بڑے پیالے سے شراب نوشی کی ہے۔

۷۔ فاذا سکرت فاننی رب الخورنق والسدیر

جب میں نشہ میں مدہوش ہوتا ہوں تو قصر خورنق اور نہر سدیر کا مالک ہوتا ہوں۔

۸۔ واذا صحوت فاننی رب الشویھۃ والبعیر

اور جب میں ہوش میں آتا ہوں، یعنی جب نشہ اتر جاتا ہے تو پھر وہی چرواہے کا چرواہا رہ جاتا ہوں۔

محاسن وزن میں دوسری چیز ترصیع ہے۔ ترصیع یہ ہے کہ اجزائے شعر کے مقاطع (آخری حروف) کی بنیاد سجع یا شبہ سجع پر قرار دی جائے۔ یا ان میں وزنِ صرفی کے اعتبار سے ایک ہی جنس ہونے کا لحاظ رکھا جائے۔

مطلب یہ ہے کہ شعر کے دونوں مصرعے یا ان کے کچھ الفاظ ہم وزن، ہم قافیہ اور مساوی الحروف ہوں۔

قدامہ کے نزدیک ترصیع حسب ذیل تین چیزوں سے مل کر پیدا ہوتی ہے۔

۱۔ سجع ۲۔ شبہ سجع ۳۔ وزن صرفی

۱۔ سجع :

سجع اصل میں کبوتر یا فاختہ کی آواز کو کہتے ہیں۔ اصطلاح میں دو کلموں کے آخر حروف کا آپس میں مشترک یا ہم قافیہ ہونے کو کہتے ہیں۔ جیسے " عالمٌ " کاملٌ "

۲۔ شبہ سجع :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شبہ سجع یہ ہے کہ دو کلموں کے آخری حروف متقارب المخرج ہوں ۔

جیسے "مُقبِلٌ" "مُدبِرٌ"

۲۔ تصریف یا وزنِ صرفی :

وزنِ صرفی یہ ہے کہ دو کلمے، حرکات و سکنات اور وزن میں ایک دوسرے سے متجانس ہوں جیسے فاعِلٌ، عالِمٌ یا تبرّعٌ، تطوّفٌ ۔

وزنِ عروضی اس کے برعکس ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ دو کلمے صرف متحرک اور ساکن ہونے میں ایک دوسرے کے برابر ہوں۔ مساوی الوزن ہونا ضروری ہیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ جو حرکت پہلے حرف پر ہے وہی دوسرے لفظ کے پہلے حرف پر ہو۔

جیسے جَمال اور قُریش ۔ اس میں "ج" پر زبر اور "ق" پر پیش ہے۔ یہاں جمال اور قریش متحالف الوزن ہیں۔ لیکن متحرک بہرحال دونوں حروف ہیں۔ اس لیے یہ وزن عروضی ہوا۔ یا جیسے اَلْقٌ، حُسنٌ ۔

توصیع کی مثال امرؤ القیس کا یہ شعر ہے ۔

مِحَشٌّ، مِجَشٌّ، مُقبِلٌ، مُدبِرٌ معاً کتیسِ ظِباءِ الحُلَّبِ الغَدَوانِ

گھوڑے کی تعریف میں شاعر کہتا ہے کہ وہ گھوڑا جری اور سریع الحرکت ہے ۔ ایک ساتھ سامنے آنے والا اور پلٹ کر جانے والا ہے (سرعت رفتار کی وجہ سے اقبال اور ادبار میں تمیز نہیں ہوتی آن واحد میں دونوں کام کر لیتا ہے) اور وہ تیز رفتاری میں، تیز دوڑنے والے نر ہرنوں کی طرح ہے۔ جو حُلّب کی گھاس کھاتے ہیں ۔

یہاں مِحَشٌّ، مِجَشٌّ میں سجع ہے۔ کیوں کہ دونوں لفظ ہم وزن اور ہم قافیہ ہیں۔ مُقبِل اور مُدبِر میں شبہ سجع ہے۔ ان میں آخری دونوں حروف یعنی "ل" اور "ر" اگرچہ بدلے ہوئے ہیں۔ لیکن متقارب المخرج ہیں۔ نیز ان دونوں لفظوں میں وزن صرفی بھی ہے۔ کیوں کہ یہ دونوں بعینہ مُفعِل کے وزن پر ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امرؤ القیس کا یہ شعر سجع فی اللفظ کی مثال ہے۔ ایک سجع، لفظتیں یا لفظتین بھی ہوتا ہے اور وہ اس طور پر کہ پہلے دو کلمے لائے جائیں ان کے بعد دو کلمے مزید آئیں۔ اب پہلے دو کلموں کا پہلا لفظ اور دوسرے دو کلموں کا پہلا لفظ ہم وزن اور ہم قافیہ ہو۔ اسی طرح پہلے دو کلموں کا دوسرا لفظ اور لفظ آپس میں مسجع ہوں، نفسِ حروف کے اعتبار سے، تو اس کو بھی ترصیع یا سجع کہتے ہیں۔ جیسے امرؤ القیس کا یہ شعر:

أَلَصُّ الضُروسِ حِسَنُّ الضُلُوعِ   تبوعٌ طلوبٌ نشیطٌ أشِر

وہ کتا متصل داڑھوں والا، خم دار پسلیوں والا، شکار کا پیچھا کرنے والا، اور اس کو طلب کرنے والا، خوش ہونے والا اور اترانے والا ہے۔ یعنی شکار کرنے سے گھبراتا نہیں ہے۔

لیکن یہ مثال مکمل طور سے سجع لفظتین لفظتین کی نہیں ہے۔ کیوں کہ اَلَصّ اور حَسِنیّ میں وزن عروضی ہے۔ اور ضُروس اور ضُلوع میں وزن صرفی ہے۔ اسی طرح تَبُوعٌ طَلُوبٌ میں بھی وزن صرفی ہے۔ اور تبوع نَشیط میں وزن عروضی ہے۔

اس لیے یہ مثال شبہِ سجع کی ہوئی، کیوں کہ وزن عروضی اور وزن صرفی ہی کو تقریباً شبہِ سجع کہتے ہیں۔

سجع لفظتین لفظتین کی اصل مثال زُہیر بن أبی سُلمیٰ کا یہ شعر ہے ؎

کَبَداءُ مُقبلةً وَرکاءُ مُدبِرةٌ   قَوداءُ فیھا إذا استعرضتھا خَضَع

اس شعر میں شاعر نے مُفعِلَة اور فَعلاءُ کے وزن کا التزام کیا ہے۔ کَبداءُ، وَرکاءُ اور قَوداءُ میں سجع ہے۔ مُقبِلَة اور مُدبِرَة میں شبہِ سجع ہے نفسِ حروف اور وزن صرفی کے اعتبار سے۔

قدامہ کا کہنا ہے کہ ترصیع ہر مقام اور ہر حالت میں اچھی نہیں لگتی۔ تمام اشعار میں پے در پے ترصیع لانا محمود اور مستحسن نہیں ہے۔ کیوں کہ ایسا کرنا تعمد اور تکلف پر دلالت کرتا ہے۔ البتہ اگر اتفاق سے کہیں سجع آجائے اور وہاں سجع لانا مناسب بھی ہو تو وہ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو اتمرو توارد سے بہتر ہے ۔

ترصیع اور سجع کی اہمیت یہ ہے کہ اس سے الفاظ اور کلام میں مناسبت پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ احادیث رسولؐ سے ثابت ہوتا ہے ۔

احادیث رسولؐ میں جابجا اس صنعت کا التزام کیا گیا ہے ۔ جیسے حضرات حسنینؓ کی حفاظت کے لیے دعا مانگی اور فرمایا :

اعیذھما من السامّۃ والھامّۃ ومن کلّ عینٍ لامّۃ

میں ان دونوں کو زہریلے جانور، تکلیف اور ہر نظر بد کے شر سے خدا کی پناہ میں دیتا ہوں ۔

یہاں مُلِمّۃ کی جگہ لامّۃ کہا تا کہ کلام دوسرے کلمات کے تابع اور ہموزن ہو جائے ۔

اسی طرح ایک جگہ وزن میں تطابق اور تناسب پیدا کرنے کے لیے "مَوْزُوْرَات"[1] کے بجائے "مازورات" اور "مؤتمرۃ" کے بجائے "مامورۃ"[2] سجع کی مناسبت سے ہی فرمایا ۔

۲ ۔ قافیہ

قافیہ کی خوبی یہ ہے کہ اس کے حروف شیریں اور سہل المخرج ہوں ۔ قصیدہ یا غزل کے پہلے مصرعہ کا آخری رکن، قصیدہ کے قافیہ کی طرح ہو ۔ یعنی مطلع کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوں ۔

مطلع کے بعد مطلع کہنا بھی محاسن قافیہ سے ہے ۔ تصریع یعنی کئی کئی مطلع کہنا بھی قافیہ کی خوبی ہے ۔ تصریع کے معنی ہیں ..... دو مصرعے لانا ۔ کئی کئی مطلع لانا شاعر کے کمال اقتدار پر

---

[1] یرجعن مازورات غیر ماجورات

وہ عورتیں گناہوں کا بوجھ لے کر لوٹیں گی اور ثواب نہ پائیں گی ۔

[2] خیر المال سِکّۃ مَابُورۃ ومُہرۃ مأمورۃ

بہترین مال بار آور کھجور کے درخت اور کثیر گھوڑوں کے بچے ہیں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دلالت کرتا ہے۔ اور یہ شاعر کے وسعتِ ظرف کی بات ہے۔ اس قسم کی مثالیں امرؤ القیس کے ہاں زیادہ ملتی ہیں جیسے ؎

قِفَا نَبْکِ مِنْ ذِکْرَیٰ حَبِیْبٍ وَمَنْزِلِ بِسِقْطِ اللِّوَیٰ بَیْنَ الدَّخُوْلِ فَحَوْمَلِ

اے میرے دونوں ساتھیو! ذرا ٹھہر جاؤ کہ میں دیارِ حبیب کو یاد کر کے رولوں جو دخول اور حومل کے درمیان، ریت کے تودے پر واقع ہے۔

پھر کچھ اشعار کے بعد کہا ہے ؎

أَفَاطِمَ! مَهْلاً بَعْضَ هٰذَا التَّدَلُّلِ وَإِنْ کُنْتِ قَدْ أَزْمَعْتِ صَرْمِی فَأَجْمِلِی

اے فاطمہ زیادہ ناز نہ کر۔ اس ناز و غمزہ کو چھوڑ دے۔ اور اگر تم جدائی اور محبت سے قطع تعلق کرنا چاہتی ہو، تو خوبصورتی سے اختیار کر لو۔

پھر کچھ اشعار کے بعد یہ مطلع کہا ہے ؎

أَلَا أَیُّهَا اللَّیْلُ الطَّوِیْلُ أَلَا انْجَلِی بِصُبْحٍ وَمَا الْإِصْبَاحُ مِنْكَ بِأَمْثَلِ

اے طویل رات تو صبح کی روشنی سے درخشاں ہو جا اور اس تاریکی کو دور کر دے۔ حالانکہ صبح بھی تجھ سے افضل و بہتر نہیں ہے کیوں کہ ہجر و فراق میں شب و روز سب برابر ہوتے ہیں۔ یہاں غیر ذوی العقول سے خطاب شدتِ سوزشِ غم پر دلالت کرتا ہے۔

امرؤ القیس کے یہ تینوں مطلعے ایک ہی قصیدے میں صنعتِ تصریع ہے۔

امرؤ القیس نے اپنے ایک دوسرے قصیدہ میں بھی تصریع سے کام لیا ہے جس کا ایک مطلع یہ ہے ؎

دِیَارٌ لِسَلْمَیٰ عَافِیَاتٌ بِذِی الْخَالِ أَلَحَّ عَلَیْهَا کُلُّ أَسْحَمَ هَطَّالِ

مقام ذو الخال میں سلمیٰ (محبوبہ) کے مکانات مٹ چکے ہیں۔ جن پر سیاہ بادل جم کر برسے ہیں۔

شعر کی بنیاد در حقیقت سجع اور قافیہ پر ہی ہے۔ شعر — جس قدر سجع اور قافیہ پر مشتمل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوگا، اسی قدر وہ باب شعر میں داخل ہوگا۔ اور طریقۂ نثر سے خارج ہوگا۔ اکثر فطری اور خوش گو شعرا نے اسی مسلک کو اختیار کیا ہے۔

اب ہم نقد الشعر — متن اور شرح میں کچھ فرو گذاشتوں کی جانب نشاندہی کرتے ہیں جناب سید علی زینی صاحب نے نقد الشعر کی عربی میں شرح لکھی ہے۔ انھوں نے اپنی شرح میں تین جگہ غلطی کی ہے۔ اور ایک جگہ اصل متن میں سہو کا احتمال ہے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ الشَجَاعَۃُ مَعَ السخاءِ کے عنوان سے فضائل انسانی کا ذکر کرتے ہوئے قدامہ نے لکھا ہے:

"عن تَرَکُّبِ الشجاعۃِ مَعَ السخاءِ، الاتلافُ والاخلافُ و
وما اَشْبَہَ ذالک۔[1]"

اس عبارت کی شرح میں شارح نے لکھا ہے۔

"والاخلافُ، الصحیح عدمُ الاخلافِ فاِنّ اِخلافَ الوعدِ صفۃٌ ذَمِیمۃٌ"

یعنی اخلاف کے بجائے عدم اخلاف ہونا چاہیے۔ کیوں کہ وعدہ خلافی ایک بری عادت ہے۔

لغت میں اخلاف کے معنی یہ ہیں:

الإخلافُ: الإتیانُ بِخَلِیفَۃٍ ما اُتْلِفَ بالغنیمۃِ

اس کا مطلب ہے ضائع شدہ چیز کے بدلے میں کوئی دوسری چیز دینا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مصنف کی مراد عدم اخلاف سے نہیں۔ جیسا کہ شارح کا خیال ہے۔

---

[1] نقد الشعر ص ۹۴ لغت المنجد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلکہ تلف شدہ چیز کا بدل عطا کرنے سے ہے۔ یعنی ایک چیز کھو گئی۔ ممدوح نے اس کے بجائے کوئی دوسری چیز سخاوت میں دیدی۔ یہ فضیلت الشجاعۃ مع السخاء کے تحت آتی ہے۔

۲۔ اسی طرح "نعت الہجاء" میں قدامہ نے ایجاز و اختصار کو محاسن ہجو میں شامل کرتے ہوئے لکھا ہے۔

ومن الهجاء ایضاً ما تُحمل فیه المعانی کما یُفعل فی المدح فیکون ذلک حسناً إذا أُصیب به الغرض المقصود مع الایجاز فی اللفظ و ذلک مثل قولِ العباسِ بنِ یزیدِ الکندیّ فی مُهاجاتِهِ جریراً و مُعارضتِهِ ایّاه فی قولِهِ [1]

اور کبھی ہجو میں بھی مدیح کی طرح اختصار و اجمال سے کام لیا جاتا ہے اور اگر غایت مطلوبہ ایجاز و اختصار الفاظ کے ذریعہ حاصل ہو جائے، تو یہ طریقہ اچھا ہے۔ اس کی مثال عباس بن یزید الکندی کا وہ شعر ہے جو اس نے جریر سے ہجو گوئی میں مقابلہ کرتے ہوئے کہا ہے اور جریر کے قول کی ہجو کی ہے۔

وہ دونوں اشعار یہ ہیں ؎

إذا غضبتْ علیکَ بنو تمیمٍ حسبتَ الناسَ کلهم غضابا

لو اطّلع الغرابُ علی تمیمٍ وما فیها من السوءاتِ شابا

۱؎ جب بنو تمیم تمہارے اوپر غضبناک ہوں تو سمجھ لو کہ ساری دنیا کے لوگ تم پر غصہ ہیں۔ اور تم سے بیزار ہیں۔

۲؎ اگر بنو تمیم کی سیاہ کاریوں پر کوے کا گذر ہو تو وہ ان کی سیاہ کاریوں کے عورات

---

[1] نقد الشعر ص ۶۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے سفید ہو جائے یعنی کوے کی سیاہی ان کی سیاہ کاریوں کے مقابلہ میں ہیچ ہو جائے۔

ان اشعار کی شرح کرتے ہوئے شارح نے لکھا ہے۔

فِی الْبَیْتِ الاَوَّلِ، اَلْاِسْتِہزَاءُ بِبَنِی تمیم وفی الثانی

ہِجَاہم بِجَمِیْعِ القبائح اجمالاً حیث قال اِنَّ اناهم

الغُرَابُ وھو اسودُ، لَا یَبْیَضُّ بالشَّیْبِ لِشِدَّۃِ العناء داَمَّہم

عِنْدَہم فانَّ اللّمّ لیجعلُ الشَّیْبَ ۔

نوبینی صاحب کی اس عبارت سے ایسا لگتا ہے کہ قدامہ نے ہجو میں، ایجاز و اختصار کے تحت جو مذکورہ بالا دو اشعار بطور مثال پیش کیے ہیں۔ وہ دونوں عباس بن یزید الکندی کے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ پہلا شعر ہے

اذا غَضِبَتْ علیکَ بنو تمیم   حَسِبْتَ النّاسَ کلّھم غضابًا

جریر کا ہے۔ اس شعر میں جریر اپنی قوم بنی تمیم کی مدح کر رہا ہے کہ جب بنو تمیم تمہارے اوپر غضبناک ہوں تو سمجھ لو کہ ساری دنیا کے لوگ تم پر غصہ ہیں اور ... اور تم سے بیزار ہیں۔

اس شعر میں کسی قسم کا استہزا نہیں ہے۔ جیسا کہ شارح مذکور کا خیال ہے بلکہ اس شعر کے مقابلہ میں، جریر کی تردید کرتے ہوئے، عباس بن یزید الکندی نے بنی تمیم کی ہجو کی ہے جیسا کہ خود قدامہ کی اس تحریر سے واضح ہوتا ہے۔

وذلک مثلُ قولِ العباس بن یزید الکندی فی مھاجاتہ

جریراً ومُعارضتِہ ایاہ فی قولِہ ۔

یہاں فی قولہ سے جریر کا وہی شعر مراد ہے جو اوپر گذر چکا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلا شعر قول جریر ہے اور دوسرا عباس کا ہے۔ عباس بن یزید الکندی نے جریر کا مذکورہ بالا شعر سن کر بنی تمیم کی ہجو میں اپنا یہ شعر کہا جو اختصار و ایجاز کی بہترین مثال ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لَوِ اطَّلَعَ الغرابُ علی تمیم	وما فیہا مِنَ السوءاتِ شابا

اگر بنی تمیم کی سیاہ کاریوں پر کوّے کا گزر ہو تو کوے کی سیاہی، بنو تمیم کی سیاہ کاریوں کے مقابلہ میں ہیچ ہو جائے۔

۳۳ "لغت المراثی" میں قدامہ نے مرثیہ کی خوبی بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ جس طرح مدح میں ایجاز و اختصارِ معانی سے کام لیا جاتا ہے۔ اسی طرح مرثیہ میں بھی مختصر لفظ اور اقتضابِ معنی، مستحسن ہے۔ اس کی مثال اوس بن حجر کے وہ اشعار ہیں جو اس نے فضالۃ بن کلدۃ الاسدی کی موت پر اپنے مرثیہ میں کہے ہیں۔ اور وہ اشعار یہ ہیں ؎

۱۔ أَلَم تَكسِفِ الشمسُ، شمسُ النهارِ	مع النجمِ والقمرِ الواجبِ

فضالہ کی موت کے غم میں، کیوں دن کے آفتاب، رات کے چاند اور ستاروں کو گہن نہیں لگ گیا ہے؟

۲۔ لِمَهلكِ فَضالةَ لاتَستَوِی	الـفقودُ ولاخَلّةُ الذاهبِ

کسوفِ شمس اور غروب ماہ و خسوف فضالہ کی موت اور اس کی کسی بھی خصلت کے برابر نہیں ہے۔ یعنی فضالہ کی موت پر اگر شمس و قمر، چاند اور تارے سب سوگوار ہوں تب بھی اس کی قیمت ادا نہیں ہو سکتی۔

۳ وأَفضَلتَ فی کلِّ شیءٍ فما	یُقاربُ سَعیَكَ مِن طالبِ

اے فضالہ! تو ہر فضیلت میں سبقت لے گیا بس نام آوری میں تیری جدوجہد تک کوئی بھی طالب عزت نہیں پہنچ سکتا۔

۴۔ نَجیحٌ مَلیحٌ أخو ماقطٍ	نِقابٌ یُحدِّثُ بالغائبِ

وہ ایک کامیاب، صاحب فہم و ادراک، بہادر اور جری انسان تھا۔ ایسا۔۔۔ روشن طبع تھا کہ اپنی ذکاوت سے چھپی ہوئی چیزوں یا مسائل کے اسرار و رموز کو بھانپ لیتا تھا۔

© rasailojaraid.com